ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Published by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

نظریہ کفو: معاصر معاشرتی انحرافات کے تناظر میں فقہی آراء کا جائزہ

The Theory of Kafā'ah: A Juristic Review in the Context of Contemporary Social Deviations

Ayesha Khan
M.Phil Scholar, The Women University Multan. Email: gulk6618@gmail.com

Dr. Khalida Siddique*
Lecturer, The Women University Multan.
*Email of corresponding author: drkhalidasiddique@gmail.com

Received: 24/8/2026 **Peer-reviewed:** 9/9/2026
Accepted: 17/9/2026 **Published online:** 19/9/2026
Article Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/article/view/4935

Abstract:
Kafa'at refers to a concept in Islamic jurisprudence that represents the idea of equivalence and closeness between a prospective husband and wife. It can be described as the compatibility or equivalency necessary between the future spouses, which should be upheld moving forward. This standard of compatibility put forth by Islam is quite impactful and encompasses factors such as religion, profession, wealth, lineage, and moral and social values. Making the marriage relationship enjoyable, enduring, and cohesive is the main goal of this Kafa'at. But unfortunately, in the modern era, the theory of Kafa'at has taken the form of a delicate balance with religious guidance on one side and worldly priorities on the other. Instead of a balanced Sharia principle, people have made Kafa'at a means of social pressure, family ego and personal interests, due to which lineage, caste, community, beauty, class difference, financial status, profession and family prestige are exaggerated to such an extent that a simple and easy Islamic act like marriage becomes difficult. It has become common to reject suitable and righteous relationships in the name of non-Kafu, unnecessary scrutiny, long delays and sometimes making girls wait longer just because they do not meet economic or family standards. This article not only explains the position of the four Imams regarding the ideology of kufa but also provides a detailed analysis of the opinions of contemporary scholars. including Maulana Abul Aʿla Maududi, Shaykh Ibn Bāz, Maulana Muhammad Taqi Usmani, Maulana Ashraf Ali Thanwi, and other scholars.

Keywords: Kafa'at, Priorities, Spouse, Jurisprudence, Contemporary Scholars

تعارف:

نکاح صرف ایک رشتہ نہیں، دو زندگیوں کے میل اور ہم آہنگی کا نام ہے۔ نظریہ کفو اسی ہم آہنگی کو یقینی بنانے کا وہ اصول ہے جو ازدواجی سفر کو محبت، احترام اور اعتماد کی بنیادوں پر استوار رکھتا ہے۔ جہاں اقدار، خیالات اور سماجی پس منظر میں مناسبت ہو، وہیں نکاح اپنی اصل خوبصورتی دکھاتا ہے اور جب شریعت اسلامی نکاح میں برابری اور ہم مزاجی کو اہم قرار دیتی ہے تو کفو کے تصور کا سمجھنا بھی لازمی ہو جاتا ہے۔

کفو کا مفہوم:

لفظ کفو "کفاءت" سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب برابری اور مساوات ہے۔ عربی لغت میں "کفو" کا مطلب ہے "ہم سطح، برابر، موافق"[1]

امام راغب اصفہانی کے نزدیک:

"کفو" کے معنی دو چیزوں کا کسی وصف میں برابر ہونا اور ایک دوسرے سے مناسبت رکھنا۔[2]

فیروز آبادی لکھتے ہیں:

کفو وہ ہے جو ہر اعتبار سے برابری اور مماثلت رکھتا ہو، نہ اس سے کمتر ہو نہ برتر۔[3]

قرآن کریم میں کفو کا لفظ اللہ رب العزت کی یکتائی بیان کرتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ:

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔[4]

"اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم سر نہیں ہے۔"

مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

کفو ایسی برابری کو کہتے ہیں جو دین، نسب، شرف اور دیگر قابلِ اعتبار اوصاف میں پائی جائے۔[5]

ابن قدامہ نے لکھا ہے:

کفو کا مطلب ہے مساوی اور ہم مرتبہ ہونا، خصوصاً دین، اخلاق، حسن اور خاندان کے لحاظ سے۔[6]

نکاح میں کفو کی اہمیت:

نظریۂ کفو اسلامی عائلی قانون میں ایک ایسا اصول ہے جو ازدواجی رشتے کی سماجی، اخلاقی اور معاشرتی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ ماہرینِ قانون کی نظر میں، اس کی غرض وغایت نکاح کو ایسے فریقین کے درمیان قائم رکھنا ہے جن کے باہمی

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم ، لسان العرب، دارصادر، بیروت، 1955ء، ج:15، ص:125۔

[2] اصفہانی، حسن بن محمد، مفردات القرآن، (مترجم:شیخ شرف الحق) ،شیخ شرف الحق کتاب گھر، لاہور ،س ن، ص:615۔

[3] فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دارالحدیث، قاہرہ، ن، ص:981۔

[4] القرآن112:4۔

[5] زبیدی ،محمد مرتضی ،تاج العروس من جواہرالقاموس، التراث العربی، کویت، ج:2، ص:669۔

[6] ابن قدامہ، محمد عبد اللہ بن احمد، المغنی، دارالفکر، بیروت، 1405ھ، ج:7، ص:230۔

حالات، اقدار، معاشی حالت، سماجی مرتبہ اور دینی التزام میں ایک معقول حد تک مطابقت پائی جائے تاکہ ازدواجی زندگی غیر ضروری تنازعات سے محفوظ رہے۔[7]

نظریہ کفو ازروئے قرآن وحدیث:

قرآن پاک میں "کفو" کا لفظ نکاح کی بحث میں صراحتاً موجود نہیں ہے۔ مگر پاک اور مناسب جوڑ، اہلیت، دینی برابری، اخلاقی ہم آہنگی اور معاشرتی مطابقت کا اصول متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح نظریۂ کفو سے متعلق متعدد احادیثِ نبویہ ﷺ بھی موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃ۔[8]

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اس آیت مبارکہ اور اس سے اخذ کردہ معنی سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں یکساں اور لائقِ عزت ہیں۔ عربی زبان میں لفظ "کفو" اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایک ایماندار شخص دوسرے ایماندار شخص کے ہم پلہ اور مناسب ہے، نہ کہ کوئی امتیاز ہو۔ خواہ آپ کا رتبہ، خاندان یا دولت کچھ بھی ہو، ایمان کے معیار پر سب برابر ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ ہے:

تَخَيَّرُوا لِنُطَفِكُمْ، وَانْكِحُوا الْأَكْفَاءَ وَأَنْكِحُوا إِلَيْهِمْ۔[9]

"اپنے نطفوں کے لیے نیک عورت کا انتخاب کرو، اور اپنے برابر والوں سے نکاح کرو، اور انہیں کو اپنی بیٹیوں کے نکاح کا پیغام دو۔"

نکاح نسلی پاکیزگی، اخلاقی مضبوطی اور خاندانی ہم آہنگی کا منصوبہ ہے۔ اسی لیے اسلام دیندار، باکردار اور ہم مثل لوگوں میں نکاح کو ترجیح دیتا ہے تاکہ نسل صالح قائم ہو۔

کفو سے متعلق مذاہب اربعہ کا موقف:

احناف کے نزدیک کفاءت شرط لزوم ہے اور "کفو" کا تصور عورت کے سرپرستوں کے حقوق کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق، کفاءت کا انحصار چھ امور پر ہوگا جن میں دین، نسب، پیشہ، دیانت، آزادی اور مال شامل ہے۔ شافعیہ کے نزدیک شادی میں کفاءت کا تعلق بنیادی طور پر لڑکی کے اولیاء کے حق سے ہے ان کے مطابق کفاءت شرط صحت نہیں بلکہ شرط استحباب ہے۔ فقہ شافعی میں کفاءت میں پانچ چیزوں کا اعتبار کیا جائے گا دین، نسب، آزادی، پیشہ اور دیانت شامل ہے۔ مالکیہ کے نزدیک کفاءت شرط استحباب ہے اور اس میں صرف دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہے۔ دینداری اور آزادی۔ باقی چیزیں (نسب، پیشہ، مال) غیر معتبر ہیں یعنی اگر کوئی مرد صالح ہے تو اس کا کسی بھی عورت سے نکاح کر لینا جائز ہے، چاہے نسب میں فرق ہو۔

حنابلہ کے نزدیک کفاءت شرط لزوم ہے، اس میں پانچ عناصر کو مدنظر رکھا جائے گا۔ جن میں دین، نسب، پیشہ آزادی اور مال شامل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ کفو (برابری یا مناسبت) نکاح میں فقہ حنبلی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

[7] عبد الوہاب شاہ، سید اور غیر سید(نکاح و کفو کا مسلہ)ای اسلامک بکس، 2025ء،ص:28-30۔

[8] القرآن10:49۔

[9]ابن ماجہ، محمد بن یزید،سنن ابن ماجہ،دارالفکر،بیروت،س ن، باب:الاکفاء،حدیث:1968۔

علیہ کا نظریہ کفو سے متعلق موقف کافی حد تک امام ابو حنیفہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کفو کے اندر مال کو شامل کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں جس میں انہوں نے مال کو خوش حالی سے تعبیر کیا ہے۔

عصر حاضر میں نظریہ کفو کو درپیش مسائل ومشکلات

1. تاخیر سے شادیوں کا بڑھتا رجحان :

مشہور امریکی عمرانی ماہر کارل وسن نے اپنی کتاب (Our Dance Has Turned to Death) میں تحریر کیا:

" اگر کسی معاشرے میں شادی و خاندانی روابط کی اہمیت کم کر دی جائے تو اس کا زوال ناگزیر ہو جاتا ہے۔"[10]

اسی طرح برطانوی ماہرِ علم الانسانیات J. D. Unwin نے اپنی مشہور کتاب Sex and Culture میں:

"تاریخ کی 86 تہذیبوں کا جائزہ پیش کیا جو بالآخر زوال کا شکار ہوئیں۔ اُن کے مطالعے کے مطابق ان تہذیبوں کے انحطاط کی ایک بڑی وجہ اخلاقی و جنسی بے راہ روی تھی، جبکہ وہ اقوام جو شادی اور خاندانی نظام کی اہمیت کو برقرار رکھتی ہیں عموماً ترقی اور استحکام کی طرف بڑھتی ہیں۔"[11]

تاہم دورِ حاضر میں معاشرتی تبدیلیوں، تعلیم کے پھیلاؤ، روزگار کے بڑھتے مواقع اور عالمی ثقافتی اثرات نے نوجوان نسل کے طرزِ زندگی اور ترجیحات کو متاثر کیا ہے، جس سے شادی کے متعلق طور طریقوں میں بھی کافی فرق پڑ رہا ہے۔ بعض اوقات والدین بہتر سے بہتر شریکِ حیات کی تلاش میں مناسب رشتوں کو رد کر دیتے ہیں، بلکہ بعض گھرانوں میں غیر معمولی توقعات کے باعث یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بیٹی کے لیے کسی مثالی اور غیر حقیقی معیار کے حامل شریکِ حیات کی تلاش جاری ہو، جس کے نتیجے میں وہ جان بوجھ کر شادی کے فیصلے کو مؤخر کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کئی نوجوان اپنی زندگی کے قیمتی سال اسی تلاش اور انتظار میں گزار دیتے ہیں اور شادی کی موزوں عمر بتدریج گزرنے لگتی ہے۔[12]

2. نکاح کو مشکل بنانا :

آج کے دور میں نکاح کو بہت مشکل بنا دیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے اسے آسان اور بابرکت عمل قرار دیا ہے۔ پہلے زمانے میں نکاح سادگی سے ہو جاتا تھا اور اس میں زیادہ رسم و رواج یا اخراجات شامل نہیں ہوتے تھے، لیکن عصرِ حاضر میں لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی شرطیں اور رسمیں شامل کر دی ہیں۔ مثال کے طور پر زیادہ جہیز کا مطالبہ، مہنگی شادی ہالز، بڑی بڑی تقریبات، غیر ضروری رسومات اور خاندانوں کی طرف سے بے شمار توقعات نکاح کو مشکل بنا دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ بعض لوگ لڑکے کی ملازمت، دولت، گھر اور سماجی حیثیت کو اس قدر اہم بنا دیتے ہیں کہ اچھے رشتے بھی صرف ان وجوہات کی بنیاد پر مسترد کر دیے جاتے ہیں اور لڑکی کی خوبصورتی، خاندان اور دیگر ظاہری چیزوں کو حد سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے بہت سے نوجوان بروقت شادی نہیں کر پاتے اور معاشرے میں مختلف مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اگر

[10] Wilson, Carl W. Our Dance Has Turned to Death: But We Can Renew the Family and the Nation. Wheaton, IL: Tyndale House Publishers, 1981, p no:251

[11] J. D. Unwin, Sex and Culture: A Study of Social Experience, Oxford University Press, London, 1934, p no:431-432

[12] محمد طارق مسعود م،نکاح میں تاخیر کیوں،مکتبہ العراق،جمشید پور،2021،ص:65،70۔

نکاح کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق سادہ اور آسان بنا دیا جائے تو نہ صرف نوجوانوں کے لیے شادی آسان ہو جائے گی بلکہ معاشرے میں سکون اور پاکیزگی بھی فروغ پائے گی۔[13]

3. آئیڈیل پارٹنر کی غیر حقیقی تلاش :

عصرِ حاضر میں نوجوان اپنے ذہنی تصورات میں شریکِ حیات کے لیے ایک خاص خاکہ بنا لیتے ہیں اور اسی آئیڈیل کے مطابق جوڑا نہ ملنے پر شادی میں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اکثر نوجوانوں کی عمر بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات شادی نہیں ہو پاتی۔ اس صورتحال میں سوشل میڈیا، ڈرامے اور رومانوی کہانیاں مزید پیچیدگی پیدا کرتی ہیں، کیونکہ یہ ذرائع ازدواجی زندگی کے بارے میں غیر حقیقی اور مثالی تصور قائم کر دیتے ہیں، جس میں شریکِ حیات کو ہر اعتبار سے کامل، بے عیب اور ہر خواہش کا مکمل مظہر سمجھتے ہیں۔ نتیجتاً، نوجوان حقیقت پسندانہ انتخاب کے بجائے خیالی "پرفیکٹ پارٹنر" کی تلاش میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جو نکاح میں تاخیر، ذہنی اضطراب اور رشتوں کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ اسلام اس غیر فطری رویے کے بجائے نظریہ کفو کی تعلیم دیتا ہے۔[14] فقہائے کرام نے بھی کفو کو انسانی کمزوریوں کے ادراک کے ساتھ ایک عملی اصول قرار دیا ہے، تاکہ ازدواجی تعلق باہمی برداشت، ذمہ داری اور اعتدال پر قائم رہے۔

4. مہنگائی اور جہیز کلچر:

جہیز سے مراد وہ سامان ہے جو والدین اپنی بیٹی کو تقریبِ نکاح پر دیتے ہیں، جس میں عموماً زیورات، ملبوسات، فرنیچر اور دیگر گھریلو و آرائشی اشیاء شامل ہوتی ہیں اور ہمارے معاشرے میں جہیز ایک رسم کے طور پر رواج پا گئی ہے جو اصل میں ہندو معاشرتی رواج ہے، لیکن بدقسمتی سے یہ مسلمانوں میں بھی جڑ پکڑتی جا رہی ہے اور ہمارے سماجی ڈھانچے کو اندر سے دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔[15]

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"جہیز کو لازمی سمجھ لینا شریعت کی روح کے خلاف اور معاشرتی ظلم کی بدترین شکل ہے۔"[16]

جہیز دراصل لڑکی کے گھر والوں پر ایسا بوجھ بن جاتا ہے جو انہیں مالی، ذہنی اور سماجی دباؤ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسلام میں اصل اہمیت سادگی، رضامندی اور حسنِ اخلاق کی ہے، نہ کہ سامان اور دولت کی نمائش۔ اس لیے جہیز کو رسم یا شرط بنانا ایک معاشرتی برائی ہے جو شریعت کے مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ موجودہ معاشرتی تناظر میں جہیز کو رفتہ رفتہ نکاح و شادی کا ایک لازمی جزو تصور کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بغیر شادی کا تصور مشکل بلکہ ناممکن سمجھا جانے لگا ہے۔ نتیجتاً، بہت سی لڑکیاں محض جہیز کی عدم دستیابی کے باعث شادی کی مناسب عمر گزر جانے کے باوجود غیر شادی شدہ رہ جاتی ہیں، جبکہ بعض لڑکیاں خود محنت و مشقت اور ملازمت کے ذریعے رقم جمع کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں تاکہ اپنے لیے جہیز کا انتظام کر سکیں۔[17]

---

[13] عثمانی، محمد تقی، اصلاحی خطبات، میمن اسلامک پبلیشرز، کراچی، 2001ء، ج:11، ص:61-69۔

[14] ابوعلی، عبدالوکیل، ائیڈیل کی تلاش (قرآن وسنت کی رہنمائی میں)، نعمانی کتب خانہ، لاہور، س ن، ص:79-75۔

[15] لاہوری، مبشرحسین، جہیز کی تباہ کاریاں، مبشراکیڈمی، لاہور، 2004ء، ص:46۔

[16] تھانوی، اشرف علی، اصلاح الرسوم، دینی بک ڈپو، دہلی، س ن، ص:87۔

[17] حوالہ سابق، ص:46۔

5. مہر میں افراط:

موجودہ دور میں نظریہ کفو کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان میں غیر ضروری اور افراطی مہروں کا رواج بھی ہے۔ آج کے معاشرے میں لوگ نکاح کے وقت مہر کو محض حقِ زن نہیں، بلکہ فریقین کی سماجی حیثیت یا وقار کے پیمانے کے طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ لوگ مہر کا تعین دو اہم جہتوں کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

پہلی جہت: مہر فریقین کی عزت اور وقار کا ذریعہ بنے یعنی معاشرتی دکھاوے اور سماجی مرتبے کی نشانی دوسری جہت: زیادہ مہر مقرر کرانے سے شوہر بیوی کو آسانی سے طلاق نہ دے سکے، یعنی ایک قسم کی مالی ضمانت ان جہتوں کی بنا پر افراطی مہروں کا رواج پیدا ہوا ہے۔[18] پہلے کے زمانے میں ایسا رواج بالکل نہیں تھا بلکہ مہر کا تعین فریقین کی سماجی حیثیت، ضرورت اور استطاعت کے مطابق کیا جاتا تھا تاکہ نکاح آسان اور خوشگوار رہے۔ یہ افراطی مطالبات اکثر خاندانوں اور نوجوان جوڑوں کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں بھاری حق مہر و پیشگی زیورات کا مطالبہ، جو عموماً لڑکی والوں کی جانب سے کیا جاتا ہے، نکاح کے عمل میں ایک بڑی رکاوٹ بن چکا ہے، حق مہر میں بے جا اضافہ اور پیشگی زیورات کے مطالبے کے نتیجے میں متعدد معاشرتی خرابیاں جنم لے چکی ہیں، جس کا ذمہ لڑکیوں کے اولیاء پر ہے، جن میں قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

- یہ رویہ بے شمار مردوں اور عورتوں کے نکاح میں تاخیر یا عدمِ تکمیل کا سبب بن رہا ہے۔
- حق مہر اور زیورات کی زیادتی کے باعث شادیوں میں غیر ضروری تاخیر کو اختیار کیا جاتا ہے۔
- ازدواجی زندگی میں اختلاف کی صورت میں شوہر، بیوی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے کہ اس نے اسے کثیر مقدار میں حق مہر یا زیورات دیے ہیں۔
- اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ ممکن نہ رہے تو علیحدگی کا فیصلہ بھی مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ شوہر بھاری حقِ مہر یا زیورات کے مالی بوجھ کے سبب بیوی کو شدید اذیت میں مبتلا کرتا ہے، حتیٰ کہ معاملہ گھریلو اور خاندانی تنازعات تک جا پہنچتا ہے۔[19]

6. مسئلہ کفو کی غلط تعبیرات:

عصرِ حاضر میں نظریہ کفو کے حوالے سے جو غلط فہمیاں جڑ پکڑ چکی ہیں، وہ اس درجہ پختہ ہو گئی ہیں کہ بہت سے لوگ اسے محض فرقہ، قبیلے یا خاندانی دائروں کی ایک قدیم رسم کے طور پر پیش کرنے لگے ہیں۔ متعدد خاندان اور نوجوان، رشتہ طے کرتے وقت اس تصور کی اصل علمی و شرعی بنیادوں تک پہنچنے کے بجائے اسے اپنی سہولت، خاندانی روایت یا سماجی تجربات تک محدود کر دیتے ہیں۔

نتیجتاً، نظریہ کفو کا مفہوم بتدریج بدل کر چند سطحی معیارات، روایتی پابندیوں اور خودساختہ ترجیحات تک محدود ہو جاتا ہے۔ یوں، جگہ جگہ یہ نظریہ فرقہ واریت، برادری پرستی یا خاندانی برتری سے جوڑا جاتا ہے، حالانکہ یہ تمام چیزیں اس کے اصل تصور کا حصہ

---

[18] محمد علی، احکام نکاح، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2005ء، ص:56۔

[19] عبدالعزیز بن عبد اللہ، رسم نکاح اور شریعت کی مخالفت، البحوث العلمیہ، کراچی، 2002ء، ص:16-15۔

نہیں۔اس فکری اختلاط نے ایسی فضا پیدا کی ہے جس میں نظریہ کفو کو مذہبی اصول کے بجائے ایک سماجی دباؤ یا خاندانی شناخت کی حفاظت کے آلے کے طور پر دیکھا جانے لگا ہے، اور یوں اس کی صحیح تعبیرات عوامی سطح پر معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔[20]

نظریہ کفو سے عملی انحرافات کی صورتیں

1. مال و دولت کو اصل معیار بنانا:

آج رشتہ طے کرتے وقت دینداری، حسنِ اخلاق، کردار کی پختگی اور ذمہ داری کے احساس کے بجائے آمدن، جائیداد، کاروباری حیثیت، بیرونِ ملک رہائش اور مالی آسودگی کو فیصلہ کن مقام دے دیا گیا ہے مزید یہ کہ آج کل معاشرے میں یہ افسوس ناک رجحان عام ہوتا جا رہا ہے کہ لوگ ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں جو زیادہ جہیز دینے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اس مادہ پرستانہ رجحان کے نتیجے میں بہت سے نیک سیرت اور صالح افراد محض مالی کمزوری کی بنا پر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں، جبکہ دولت کے حامل مگر دینی و اخلاقی اعتبار سے کمزور افراد کو فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرزِ فکر کے باعث نکاح جیسا مقدس اور باوقار رشتہ بتدریج ایک معاشی سمجھوتے میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔[21]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنا پر کیا جاتا ہے: اس کے مال، حسب، جمال اور دین کی بنا پر، پس تم دیندار کو اختیار کرو، اگر ایسا نہ کرے تو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"[22]

اگر رشتہ کرنے والے دونوں خاندانوں کی مالی حیثیت ایک جیسی ہو تو شادی کے بعد میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی اور سمجھ بوجھ پیدا ہونا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنی حیثیت سے بڑھ کر رشتے تلاش کرتے ہیں۔ اچھے رشتے کی خواہش رکھنا فطری بات ہے، مگر جب اس خواہش میں لالچ شامل ہو جائے تو ازدواجی زندگی میں سکون کے بجائے پریشانیاں پیدا ہونے لگتی ہیں، خاص طور پر جب بیٹے کے لیے اپنے سے زیادہ امیر گھرانے کی تلاش کی جائے۔ البتہ بیٹی کے لیے اپنے سے بہتر یا خوشحال گھرانے کی تلاش کو عام طور پر معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اسی حوالے سے بنگلہ دیش میں ایک مشہور کہاوت ہے کہ "خوشحال زندگی کا راز یہ ہے کہ بہو ایسے گھر سے لاؤ جو تم سے کم مالدار ہو اور اپنی بیٹی ایسے گھر میں بیاہو جو تم سے زیادہ مالدار ہو۔" عام طور پر لوگ اس کہاوت میں کچھ نہ کچھ حقیقت محسوس کرتے ہیں۔ اگر اس کے برعکس ہو، یعنی بیوی بہت امیر گھرانے سے آئے، تو ممکن ہے کہ وہ اپنے سسرال والوں کے لیے مشکلات پیدا کرے، اسی طرح اگر بیٹی کو بہت غریب گھر میں بیاہ دیا جائے تو اسے تنگدستی برداشت کرنی پڑے۔[23]

[20] منیر الدین، اسلام کا خاندانی نظام، ادارہ تحقیقات اسلامی، عمرآباد، ص:45-44۔

[21] محمد علی، احکام نکاح، 30-29۔

[22] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری (مترجم: محمد ناصر الدین البانی) پروگریسو بکس، 2016ء، باب: نکاح کا بیان، حدیث: 5090۔

[23] https://siratemustaqeem.mjah.org.uk 12-05-2025 10:54am.

2. حسب نسب پر ضرورت سے زیادہ زور دینا:

حسب سے مراد دراصل انسان کی عزّت و شرافت ہے جو اس کے آباؤ اجداد اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ وابستہ ہو۔ حسب کا مادہ دراصل حساب سے نکلا ہے، کیونکہ عرب معاشرے میں فخر و مباہات کے وقت لوگ اپنے محاسن، خوبیوں، آبائی کارناموں، قومی آثار و روایات اور پسندیدہ اعمال کو گن گن کر بیان کیا کرتے تھے۔ ان امور کو باقاعدہ شمار کیا جاتا اور اس بات کا تقابل کیا جاتا کہ کس کے پاس یہ اوصاف اور فضائل زیادہ ہیں۔ چنانچہ جس شخص یا خاندان کے فضائل کی تعداد زیادہ سمجھی جاتی، اسی کو برتری، فضیلت اور شرف کا زیادہ مستحق قرار دیا جاتا۔[24]

موجودہ دور میں ازدواجی تعلقات میں حسب نسب یا نسبی حیثیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینا ایک عام مسئلہ بن چکا ہے۔ اکثر والدین اور خاندان اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ لڑکے یا لڑکی کا خاندانی پس منظر شاندار ہو، یہاں تک کہ بعض اوقات کردار، دینداری، اخلاق اور شخصیت کی اہمیت پس پشت ڈال دی جاتی ہے۔ اسلام میں حسب نسب کو اہمیت دی گئی ہے، مگر یہ صرف ایک حد تک جبکہ اصل معیار انسان کے کردار، دینداری اور حسن سیرت کو قرار دیا گیا ہے۔[25]

امام غزالی نے واضح کیا ہے کہ "اچھے حسب نسب والی لڑکی کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی ایسے گھرانے سے ہونی چاہیے جس میں دینداری اور تقویٰ پایا جاتا ہو۔ اگر لڑکی کسی غیر دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو ممکن ہے کہ وہ خود تربیت یافتہ نہ ہو اور اپنی آنے والی نسل کی صحیح تربیت بھی نہیں کر سکے۔ شادی میں حسب و نسب پر ضرورت سے زیادہ زور دینا غرور اور دنیا پرستی کی علامت ہے، جبکہ دین واخلاق اصل معیار ہیں۔"[26]

3. ذات وبرادری کی تنگ نظری:

مغربی معاشرت کی تقلید کے اثرات کے سبب بعض افراد اپنی برادری سے باہر رشتے قائم کرنے کی طرف راغب ہو گئے ہیں، مگر کئی خاندان ابھی بھی قدیم رسم و رواج کے دائرے میں محدود ہیں۔ علاقائی اور نسلی بنیادوں پر رشتے قائم کرنے کی پابندی بدستور موجود ہے؛ مثلاً پٹھان اپنی برادری میں، مہاجر اپنی برادری میں، اور پنجابی اپنی برادری میں رشتوں کی تلاش کرتے ہیں۔[27] ہمارے معاشرتی ڈھانچے میں ذات و برادری کی سخت پابندی ایک گہری اور مؤثر حقیقت کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اگرچہ یہ تصور اپنی اصل میں ہندو معاشرتی نظام سے وابستہ ہے، تاہم برصغیر میں صدیوں کے باہمی اختلاط اور مشترکہ سماجی فضا کے نتیجے میں یہ رجحان مسلم معاشرے میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ رشتہ کرتے وقت ذات و برادری کو ترجیح دینا آج کل معاشرت میں ایک عام رجحان بن چکا ہے، چنانچہ بہت سے افراد اپنی ذات یا مسلک سے باہر نکاح کو معیوب اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔

لوگ اپنے بچوں کے نکاح یا رشتے طے کرتے وقت صرف یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی یا لڑکا ایک ہی برادری یا ذات سے تعلق رکھتا ہو یعنی لوگ اپنی ہی ذات یا برادری کے رشتوں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے وہ رشتہ اخلاق، دین یا نیک نیت کے لحاظ سے مناسب نہ ہو۔ اکثر

---

[24] سراج الدین، رسالہ احکام کفو، مکتبہ اہل حدیث، رام پور، 1994ء، ص:84۔

[25] محمد علی، احکام نکاح، 31-30۔

[26] غزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم الدین (مترجم: مولانا ندیم الواجدی)، دارالاشاعت، کراچی، 2010ء، ص:75۔

[27] ام عبد منیب، رشتے کیوں نہیں ہوتے، دارالشکر، لاہور، 1429ھ، ص:20۔

لوگ اچھے، نیک اور اہل رشتوں کو محض اس لیے رد کر دیتے ہیں کہ وہ ان کی ذات یا برادری سے تعلق نہیں رکھتے، جبکہ اصل معیار دین، اخلاق، تقویٰ اور شخصیت کی مطابقت ہے۔ شادی بیاہ کے معاملات میں جب ذات، برادری اور مسلکی وابستگی بنیادی اور فیصلہ کن معیار بن جائے تو نتیجتاً، یا تو مناسب رشتے میسر نہ آنے کے باعث نکاح میں غیر ضروری تاخیر واقع ہوتی ہے، یا پھر محض ان سماجی حدود کی رعایت میں ایسی بے جوڑ شادیاں طے پاتی ہیں جو فکری، مزاجی اور عملی عدم مطابقت کی وجہ سے مستقبل میں متعدد گھریلو اور سماجی مسائل کو جنم دیتی ہیں۔[28]

اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں معاشرتی زندگی کی بنیاد قبائلی عصبیت اور نسلی تفاخر پر قائم تھی۔ نکاح کے معاملات میں ذات، برادری اور قبیلے کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی تھی، اور عام طور پر شادی اسی قبیلے میں کی جاتی تھی جو قوت، شجاعت اور غلبے کے اعتبار سے زیادہ بااثر سمجھا جاتا تھا۔ قبائلی برتری کو عزت و وقار کی علامت تصور کیا جاتا، جبکہ کمزور یا کم حیثیت قبائل سے رشتہ داری کو باعثِ عار سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح نکاح ایک سماجی ضرورت کے بجائے قبائلی فخر اور طاقت کے اظہار کا ذریعہ بن چکا تھا، جسے اسلام نے آکر ختم کیا اور اس کی جگہ تقویٰ، اخلاق اور انسانی مساوات کے اصول کو قائم کیا۔ تاہم آج بھی سماج کے بعض حلقوں میں یہی رویے دیکھنے کو ملتے ہیں، جہاں شادی بیاہ کے معاملات میں ذات، برادری یا نسبی حیثیت کو غیر ضروری اہمیت دی جاتی ہے، جو دورِ جاہلیت کی عصبیت کی عکاسی کرتا ہے۔[29]

4. ظاہری حسن و جمال کو ترجیح دینا:

شریعتِ اسلامیہ نکاح کو سکونِ قلب، عفتِ نفس اور دینی نشوونما کا ذریعہ ٹھہراتی ہے۔ نظریۂ کفو کی بنیاد بھی محض ظاہری یا وقتی عناصر پر نہیں ہے، بلکہ مفاہمت دین، اخلاق و کردار پر رکھی گئی ہے۔ تاہم عصرِ حاضر میں اس تصور سے انحراف کرتے ہوئے ظاہری حسن و جمال کو نکاح کا غالب اور بعض اوقات واحد معیار بنالیا گیا ہے، جو ایک گہری سماجی اور دینی خرابی کی علامت ہے۔ جدید معاشرت میں لوگ رشتہ طے کرتے وقت خوبصورتی کو حد سے زیادہ اہمیت دینے لگے ہیں۔

اکثر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے لیے منتخب کی جانے والی لڑکی غیر معمولی حسن کی حامل ہو، گویا وہ کسی حسن کے مقابلے کا نمونہ ہو۔ اسی ذہنیت کے تحت لڑکی کی جسمانی ساخت، چہرے کے خدوخال، رنگت، قد، چال ڈھال اور مجموعی ظاہری تاثر کا باریک بینی سے جائزہ لیا جاتا ہے، اس عمل میں لڑکیاں اکثر ایک تکلیف دہ اور غیر انسانی صورتِ حال سے دوچار ہوتی ہیں، جہاں انہیں آنے والے مہمانوں کی تنقیدی نگاہوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ والدین، اس معاشرتی دباؤ سے آگاہ ہونے کے باعث، اپنی بیٹیوں کو بنا سنوار کر اس انداز میں پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کی ظاہری خوبصورتی نمایاں ہو سکے۔

لڑکے کے والدین، بہن بھائی، رشتہ دار اور بعض اوقات خود لڑکا بھی لڑکی کا تفصیلی مشاہدہ کرتے ہیں، تاکہ کسی ممکنہ کمی یا خامی کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس تمام سخت جانچ پڑتال کے باوجود رشتہ بعض اوقات نہایت معمولی اور غیر اہم ظاہری نکات کی بنیاد پر رد کر دیا جاتا ہے، مثلاً لڑکی خوبصورت نہیں، قد میں معمولی کمی، آواز کا بھاری ہونا، ناک یا چہرے کی ساخت، یا جسمانی تناسب۔ اس کے برعکس، لڑکے کی اپنی شکل و صورت، رنگت یا ظاہری کشش کو عموماً اہمیت نہیں دی جاتی۔ لڑکا خواہ جیسا بھی ہو،

---

[28] عثمانی، محمد تقی، معاشرتی برائیاں اور ان کا حل، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، س ن، ص:197۔

[29] عمری، جلال الدین، اسلام کا عائلی نظام، مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی، 2006ء، ص:39-33۔

لڑکی کا خوبصورت ہونا لازمی ہے۔ یہ دوہرا معیار معاشرتی ناانصافی اور صنفی عدم توازن کی واضح مثال ہے۔ اس مسلسل ذہنی دباؤ اور تحقیر آمیز رویے کے نتیجے میں بعض شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس عمل سے بیزار ہو کر شادی سے ہی گریز کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہیں، جو ایک سنجیدہ سماجی مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے۔[30] خالقِ کائنات نے انسان کو تمام مخلوقات میں برتر مقام عطا کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔[31]

"کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔"

اللہ پاک نے انسانی جبلت، سب مخلوقات میں سب سے بہترین بنائی، اور اس کا جسم، شکل اور صورت بھی دنیا کے باقی جانداروں سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہے۔ انسان کا جسم، شکل اور حسن دیگر مخلوقات کے مقابلے میں سب سے عمدہ ہے۔ مثلاً ہاتھ، آنکھیں، کان، اور جسمانی نظام سب ایک دوسرے کے ساتھ اتنی عمدگی سے بنائے گئے ہیں کہ یہ زندگی گزارنے میں سب سے موزوں ہیں۔ انسان کو صرف جسمانی خوبصورتی ہی نہیں دی گئی بلکہ عقل، سوچنے سمجھنے، سیکھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی بہترین دی گئی ہے۔ یہی چیز انسان کو دیگر جانداروں سے ممتاز بناتی ہے۔[32]

5. طلاق یافتہ یا بیوہ خواتین سے گریز:

پاکستانی معاشرتی ساخت اپنی تاریخی تشکیل کے اعتبار سے بڑی حد تک برصغیر کے قدیم ہندو سماجی نظام سے متاثر دکھائی دیتی ہے۔ اسی پس منظر کے باعث یہاں کے معاشرتی رویّوں اور رسم و رواج پر ہندوانہ اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ اس کا ایک واضح مظہر طلاق سے متعلق دوہرا معیار ہے۔ مرد کے لیے طلاق کے بعد دوبارہ شادی کرنا آسان ہے۔ اور اس کی سماجی حیثیت، عزت یا وقار پر کوئی منفی اثر مرتب نہیں ہوتا، جب کہ عورت کے لیے طلاق ذلت، نفرت، حقارت، بدشگونی اور سماجی طعن و تشنیع کی علامت بن جاتی ہے، خواہ طلاق کے اسباب میں عورت کا کوئی قصور نہ ہو بعض خاندان تو ہندوانہ رسم و رواج کے زیر اثر مطلقہ و بیوہ خواتین کو اپنی بیٹیوں کی منگنی یا شادی جیسی تقریبات میں شرکت کے لیے بھی نامناسب اور بدشگون خیال کرتے ہیں، گویا ان کی حیثیت ایک سماجی بدنصیبی کی علامت بن چکی ہو۔

ہمارے معاشرے میں مطلقہ اور بیوہ عورت سے شادی کو عموماً اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ عموماً ان سے شادی کے لیے وہی مرد آمادہ ہوتے ہیں جو کسی مجبوری یا ناگزیر حالات کے باعث کنواری لڑکی سے رشتہ قائم کرنے کی امید کھو چکے ہوں۔ عصر حاضر میں مطلقہ اور بیوہ خواتین سے نکاح کرنے کے حوالے سے عمومی طور پر ایک منفی اور امتیازی رویہ پایا جاتا ہے وہ یہ کہ اکثر افراد ان خواتین سے نکاح کو سماجی وقار کے خلاف یا خاندانی روایات سے متصادم سمجھتے ہیں، حالانکہ اس طرزِ فکر کی کوئی مضبوط اخلاقی یا دینی بنیاد موجود نہیں۔ طلاق یافتہ اور بیوہ خواتین کو رشتۂ نکاح کے معاملے میں نظر انداز کرنا ایک گہرا تعصبانہ رویہ ہے، جسے عموماً "کفو" کے غیر شرعی تصور

---

30 ام عبد منیب، رشتے کیوں نہیں ہوتے، ص:12-11۔

31 القرآن4:95۔

32 محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، س ن، ج:8، ص:775۔

کے ذریعے جواز فراہم کیا جاتا ہے۔[33] اسلام نکاح کے باب میں بنیادی شرط کو دین داری قرار دیتا ہے، جبکہ دیگر اوصاف اگر حسنِ اتفاق سے میسر آ جائیں تو بہتر ہیں، لیکن ان کی عدم موجودگی کو اس قدر فیصلہ کن نہیں بنایا گیا کہ ان کی بنیاد پر کسی باحیا اور دین دار فرد کے رشتے کو رد کر دیا جائے۔

6. دیندار رشتوں کو کمتر سمجھنا:

محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں کہ:

> "رشتہ کرتے ہوئے لڑکا اور لڑکی کے انتخاب میں سب سے بنیادی اور اصل معیار دین اور اچھا اخلاق ہونا چاہیے اور جب اس پہلو سے متعلق مکمل اطمینان حاصل ہو جائے، تو بلا وجہ تاخیر یا پس و پیش کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے رشتہ قبول کر لینا چاہیے۔"[34]

تاہم موجودہ معاشرتی تناظر میں دیندار رشتوں کو کمتر سمجھنے کا رجحان ایک تشویشناک فکری انحراف کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مذہبی وابستگی، اخلاقی پختگی اور دینی شعور جیسے اوصاف جو روایتی اسلامی معاشرے میں نکاح کے بنیادی معیارات سمجھے جاتے تھے، اب اکثر مادی آسائشوں، ظاہری معیارِ زندگی اور سماجی حیثیت کے مقابلے میں ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ نتیجتاً دیندار افراد کو تنگ نظر، غیر عملی یا زمانے سے کٹا ہوا سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے مزید بر آں، رشتہ کے انتخاب میں ماڈرن معیارِ انتخاب کو فوقیت دینا دراصل ایک ایسے فکری تضاد کو جنم دیتا ہے جس میں وقتی سہولت کو دائمی سکون پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حالانکہ دینداری کو کمزوری یا پسماندگی کے مترادف سمجھنا دراصل اس فکری بحران کی علامت ہے جس میں اخلاقی اقدار کو افادیت اور مفاد کے پیمانوں پر پرکھا جا رہا ہے۔ اس رجحان کے باعث نکاح میں ظاہری ہم آہنگی کو کردار، ذمہ داری اور اخلاقی مطابقت پر ترجیح دی جا رہی ہے۔[35]

عصر حاضر کے فقہاء کی آراء کا جائزہ

1. مفتیِ اعظم شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ:

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں کفاءت (Compatibility) کا حقیقی اور بنیادی معیار صرف دین و تقویٰ ہے۔ ان کے نزدیک ذات پات، نسب، قبیلہ، معاشرتی حیثیت یا مال و دولت کو شرعی طور پر کفاءت کا اصل معیار قرار دینا درست نہیں۔ انہوں نے بالخصوص اس غلط فہمی کی تردید کی ہے کہ سید یا ہاشمی خاندان کی خواتین صرف اسی طبقے میں نکاح کر سکتی ہیں اور دیگر طبقات سے ان کا نکاح عدمِ کفاءت کے باعث ناجائز ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے واضح فرمایا کہ یہ تصور بڑی غلطی، جہالت اور شریعتِ مطہرہ کے منافی ہے۔ بعض فقہی کتب میں نسب، پیشہ یا معاشرتی مرتبہ کا بھی ذکر ملتا ہے، تاہم یہ امور شرعی اعتبار سے بنیادی شرط نہیں ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحبِ کردار اور دیندار مرد یا عورت — خواہ ان کا معاشرتی یا نسبی پس منظر مختلف ہی کیوں نہ ہو — شرعاً ایک دوسرے کے لیے کفو قرار پاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مفتیِ اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک کفاءت کا اصل

---

[33] ام عبد منیب، مطلقہ خواتین اور ان کے مسائل، دارالشکر، لاہور، 1430ھ، ص:23-17۔

[34] محمد یوسف اصلاحی، اسلامی معاشرہ، ص:137۔

[35] محمد الیاس، شادی کے شرعی احکام، مکتبہ الیاس، لاہور، س ن، ص:96۔

معیار دین اور تقویٰ ہے۔ نسب، خاندان یا معاشی مرتبہ کو شرعی شرط قرار دینا درست نہیں۔ نسب یا برادری کی بنیاد پر بے جا پابندیاں عائد کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔[36]

2. مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی:

کفو کے مسئلے پر ایک سوال کے جواب میں نہ صرف تفصیلی دلائل پیش کیے بلکہ اس مسئلے کی فقہی و عملی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا کہ:

"کسی بھی لڑکی کی شادی کرتے وقت اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ نکاح کے لیے منتخب شخص اس کے ہم جوڑ یا مناسب شریک ہے یا نہیں۔ اگر یہ ہم جوڑ نہ ہو تو یہ توقع رکھنا غیر معقول ہے کہ دونوں کا رشتہ کامیاب اور خوشگوار ہو سکے گا۔ نکاح کا مقصد، عقلاً اور شریعت کے مطابق، یہی ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے ساتھ سکون، محبت اور باہم مطابقت پیدا کریں۔ بے جوڑ نکاحوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اور کون سا معقول انسان یہ چاہے گا کہ اس کے بچوں یا بہن بھائی کا نکاح غیر کفو ہو۔ لڑکے اور لڑکی کے درمیان کس کس معاملے میں ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ ان تفصیلات میں بعض علماء سے اختلاف اور بعض سے اتفاق ممکن ہے۔ تاہم، جو لوگ کفاءت کے فقہی مسئلے کو مسخ کر کے ہندو سماج کی طرح بلند یا پست ذاتیں طے کر دیتے ہیں، ان پر اعتراض کرنا بالکل درست ہے۔"[37]

3. مفتی محمد تقی عثمانی:

لوگوں میں اپنی ہی برادری کے اندر نکاح کرنے کے بارے میں کئی طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں چونکہ نکاح عمر بھر کی رفاقت کا نام ہے، اس لئے میاں بیوی اور دونوں خاندانوں کے درمیان ایسی طبعی مناسبت ہو کہ رہن سہن، سوچ اور مزاج میں حد سے زیادہ تفاوت نہ رہے، تاکہ باہمی زندگی پر سکون انداز میں گزر سکے۔ لیکن اول تو کفو کا خیال رکھنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اگر بالکل ہم پلہ رشتہ نہ ملے تو پھر گویا پوری زندگی نکاح ہی ترک کر دیا جائے۔ دوم یہ کہ کفو کا مفہوم یہ بھی نہیں کہ لازماً اپنی ہی برادری میں رشتہ تلاش کیا جائے اور برادری سے باہر آنے والے تمام رشتوں کو غیر کفو سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں چند بنیادی باتیں اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے، کیونکہ انہیں نظر انداز کرنے ہی کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بہت سی غلط فہمیاں جنم لے چکی ہیں۔ ہر وہ شخص کسی لڑکی کے لیے کفو شمار ہو گا جو حسب و نسب، دینی التزام اور معاشی و پیشہ ورانہ حیثیت کے طور پر اس لڑکی و اس کے خاندان کے ہم درجہ ہو۔ اگر کوئی فرد کسی دوسری برادری سے ہو، لیکن اس کی برادری عمومی طور پر لڑکی کے خاندان کے ہم مرتبہ سمجھی جاتی ہو، تو وہ بھی کفو ہی قرار پائے گا۔ مثلاً، سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور دیگر قریشی گھرانے باہم ایک دوسرے کے لیے کفو کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ملک میں موجود غیر عرب النسل (عجمی) برادریاں، جیسے راجپوت، خان وغیرہ بھی عموماً ایک دوسرے کے ہم پلہ تصور کی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے کفو ہوتی ہیں۔[38]

---

[36] https://abdurrahman.org 18-05-2025 11:7am

[37] مودودی، سید ابوالا علی، رسائل و مسائل، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 2011ء، ص:153-152۔

[38] عثمانی، محمد تقی، اسلام اور ہماری زندگی، ادارہ اسلامیات، پبلیشرز، لاہور، 2010ء ج:5، ص:54-52۔

4. مولانااشرف علی تھانوی:

لڑکی کی شادی ایسے شخص سے نہ کی جائے جو درجہ، مزاج اور سوچ کے اعتبار سے اس کے برابر نہ ہو۔ برابری (کفو) کئی پہلوؤں سے دیکھی جاتی ہے: نسب میں، اسلام میں، دینداری میں، مال و دولت میں اور پیشے میں۔ نسب کے اعتبار سے سید، شیخ، انصاری، اور علوی سب ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں۔ اگرچہ سیدوں کی فضیلت زیادہ ہے۔ دینداری میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ بدکار، شرابی، فاسق اور لاپرواہ شخص کسی نیک، دیندار اور باحیا عورت کے برابر نہیں سمجھا جائے گا۔ مال کے اعتبار سے بالکل مفلس آدمی کسی مالدار لڑکی کے برابر نہیں۔ البتہ اگر وہ اتنا صاحبِ استطاعت ہو کہ کم از کم مہر کا کچھ حصہ ادا کر سکے اور بیوی کا خرچ اٹھا سکے، تو اسے برابر کا سمجھا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ لڑکا بھی عورت کے خاندان جتنا امیر ہو۔[39]

5. مفتی عبدالقیوم ہزاروی:

اسلامی فقہ میں کفو کا تصور ذات، قبیلہ یا قوم سے محدود نہیں ہے۔ مرد اور عورت اپنی آزاد مرضی اور پسند کے مطابق نکاح کر سکتے ہیں۔ جب والدین یا سرپرست نکاح کے رشتے طے کرتے ہیں تو انہیں لڑکے اور لڑکی کی رضامندی، پسند و ناپسند، قد و قامت، جمالیاتی خصوصیات، علمی و تربیتی معیار اور ذہنی ہم آہنگی کو مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ رشتہ ہم آہنگ اور خوشگوار ہو۔ غیر مناسب یا بے جوڑ شادیوں سے گریز کیا جائے تاکہ دلوں میں محبت اور الفت قائم رہے۔ اسلام میں کسی طرح کا رنگ، نسل یا ذات و قبیلے کا فرق نکاح کے لیے معیار نہیں ہے۔[40]

6. مولانا محمد طاہر القادری :

ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں کہ کفاءت کے تعین میں چار امور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں: دونوں مسلمان ہوں، نسب میں مطابقت ہو، دینداری اور کردار درست ہو، آزاد ہوں، غلام نہ ہوں، مالی حیثیت مناسب ہو اور پیشہ معقول اور باعزت ہو۔ نیز کفاءت کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔ رشتۂ ازدواج کے تعین میں نسب اور خاندانی پس منظر کو پیشِ نظر رکھنا اس لیے اہم ہے کہ یہ ایک مضبوط اور متوازن معاشرے کی بنیاد کا سبب بنتا ہے۔ ازدواجی زندگی کی کامیابی کے لیے زوجین کا ہم دین ہونا بنیادی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ مذہبی نظریات میں اختلاف عموماً نفسیاتی ہم آہنگی اور سماجی استحکام کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ نتیجتاً ایسا رشتہ اکثر اپنی بقا برقرار نہیں رکھ پاتا۔ کفاءت کے تناظر میں حسن و جمال کو محدود پیمانے پر مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے ناقص یا کمتر محسوس نہ کریں، مگر دینی تقویٰ اور پرہیزگاری کی قدر اس سے کہیں بالاتر ہے۔ مالی اعتبار سے کفاءت کا مفہوم ہے کہ مرد، مہر معجل ادا کرنے اور بیوی کے نفقے کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو۔ اگر وہ کاروبار نہیں کرتا تو اسے ایک ماہ کا نفقہ فراہم کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے، اور اگر روزانہ اجرت یا مزدوری پر منحصر ہے تو اتنی آمدنی حاصل ہو کہ عورت کے روزمرہ ضروریات پورے کیے جا سکیں۔ اس کا لازمی نہیں کہ اس کا مال عورت کے برابر یا مساوی ہو۔[41]

[39] تھانوی، اشرف علی، بہشتی زیور، توصیف پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص:165۔

[40] https://www.thefatwa.com 25-05-2025 3:43pm

[41] طاہر القادری، نکاح و طلاق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2015ء، ص:88-78۔

7. مفتی طارق مسعود:

نکاح میں کُفو (برابری و مناسبت) کا لحاظ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اصولی طور پر غیر کفو میں نکاح کرنا شرعاً درست تو ہے، تاہم یہ اسی وقت مناسب سمجھا جاتا ہے جب معقول مجبوری پائی جائے، مثلاً لڑکی کے لیے مناسب کفو میں رشتہ دستیاب نہ ہو اور سرپرست یا اولیاء اس پر راضی ہوں۔ فقہاء کرام نے کفو کے تعیّن کے لیے چھ بنیادی امور بیان کیے ہیں: کفو کی پہلی بنیاد نسب اور خاندان ہے، کیونکہ انسان کے اخلاق و عادات عموماً خاندانی ماحول ہی سے تشکیل پاتے ہیں۔ تاہم ایسے خاندان سے رشتہ کرنے سے احتراز کیا جائے جو برائیوں یا غلط طرزِ زندگی کے سبب معاشرے میں بدنام ہوں۔ دوسرا پہلو عقل و ذہانت ہے؛ چنانچہ کسی عاقل و فاضل لڑکی کا نکاح کسی ذہنی معذور شخص سے کر دینا درست نہیں سمجھا جاتا۔ تیسرا معیار مالی استطاعت ہے۔ اس سے مراد وہ مفہوم نہیں جو آج کے معاشرے میں رائج ہو چکا ہے کہ محض بینک بیلنس یا ظاہری دولت کو دیکھا جائے۔ مالی استطاعت سے مراد، مرد اتنی قدرت رکھتا ہو کہ وہ مہر ادا کر سکے اور اسی معیار کے مطابق نان و نفقہ برداشت کر سکے جو اس خاندان میں رائج ہو۔ چوتھا پہلو اسلام، پانچواں دینداری اور کردار ہے۔ اگر لڑکی دین دار، باحیا اور شریعت کی پابند ہو تو اس کا نکاح کسی فاسق، شرابی یا بدکردار شخص سے کرنا نامناسب قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ ہم پلہ ہونے کے معیار کے خلاف ہے۔ اسی طرح علم و فہمِ دین بھی ایک معیار ہے۔ اگر لڑکی عالمہ ہو اور اس کا دینی فہم مضبوط ہو تو غیر سنجیدہ اور دین سے ناواقف شخص اس کا ہم پلہ نہیں ٹھہرتا۔

ان اُمور کا لحاظ رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے تاکہ بیٹی کے لیے مناسب، ہم پلہ اور پائیدار رشتہ منتخب کیا جا سکے۔ بدقسمتی سے ہمارے دورِ حاضر میں کفو کے اس صحیح تصور کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

معاصر اہلِ علم کی فقہی آراء کا نچوڑ

- کفو کا اصل اور بنیادی معیار دین، تقویٰ اور حسنِ اخلاق ہے۔
- نسب، خاندان، پیشہ اور معاشرتی حیثیت ثانوی اور عرفی عوامل ہیں، نہ کہ قطعی شرعی شرائط۔
- غیر کفو میں نکاح شرعاً جائز اور معتبر ہے، بشرطیکہ فریقین اور اولیاء کی رضامندی موجود ہو۔
- کفو کے نام پر بے جا پابندیاں، نکاح میں تاخیر یا عمر بھر محرومی اسلامی عدل، رحمت اور اعتدال کے منافی ہے۔

References

Abū ‘Alī, ‘Abd al-Wakīl. Ā’īdīl kī Talāsh (Qur’ān o Sunnat kī Rahnumā’ī Mẽ). Lahore: Nu‘mānī Kutub Khānah, n.d.

al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā‘īl. Ṣaḥīḥ Bukhārī. Translated by Muḥammad Nāṣir al-Dīn al-Albānī. Lahore: Progressive Books, 2016.

al-Fīrūzābādī, Muḥammad ibn Ya‘qūb. Al-Qāmūs al-Muḥīṭ. Cairo: Dār al-Ḥadīth, n.d.

al-Ghazālī, Muḥammad ibn Muḥammad. Iḥyā’ ‘Ulūm al-Dīn. Translated by Mawlānā Nadīm al-Wājidī. Karachi: Dār al-Ishā‘at, 2010.

Ibn Mājah, Muḥammad ibn Yazīd. Sunan Ibn Mājah. Beirut: Dār al-Fikr, n.d.

Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukarram. Lisān al-‘Arab. Beirut: Dār Ṣādir, 1955.

Ibn Qudāmah, Muḥammad ʻAbd Allāh ibn Aḥmad. Al-Mughnī. Beirut: Dār al-Fikr, 1405 AH.

Iṣfahānī, Ḥasan ibn Muḥammad. Mufradāt al-Qur'ān. Translated by Shaykh Sharaf al-Ḥaqq. Lahore: Shaykh Sharaf al-Ḥaqq Kitāb Ghar, n.d.

Lāhawrī, Mubashshir Ḥusayn. Jahēz kī Tabāh Kārīyā̃. Lahore: Mubashshir Academy, 2004.

Mawdūdī, Sayyid Abū al-Aʻlā. Rasā'il o Masā'il. Lahore: Islamic Publications, 2011.

Muḥammad ʻAlī. Aḥkām-i Nikāḥ. Lahore: Maktabah Quddūsiyyah, 2005.

Muḥammad Ilyās. Shādī kē Sharʻī Aḥkām. Lahore: Maktabah Ilyās, n.d.

Muḥammad Shafīʻ. Maʻārif al-Qur'ān. Lahore: Maktabah Maʻārif al-Qur'ān / Idārah Tarjumān al-Qur'ān, n.d.

Muḥammad Ṭāriq Masʻūd. Nikāḥ mẽ Ta'khīr Kyū̃? Jamshedpur: Maktabah al-ʻIrāq, 2021.

Muḥammad Yūsuf Iṣlāḥī. Islāmī Muʻāsharah. n.p., n.d.

Munīr al-Dīn. Islām kā Khāndānī Niẓām. Umarabad: Idārah Taḥqīqāt-i Islāmī, n.d.

ʻUmarī, Jalāl al-Dīn. Islām kā ʻĀ'ilī Niẓām. New Delhi: Maktabah Islāmī Publishers, 2006.

Umm ʻAbd Munīb. Muṭallaqah Khawātīn aur Un kē Masā'il. Lahore: Dār al-Shukr, 1430 AH.

Umm ʻAbd Munīb. Rishtē Kyū̃ Nahī̃ Hōtē. Lahore: Dār al-Shukr, 1429 AH.

Unwin, J. D. Sex and Culture: A Study of Social Experience. London: Oxford University Press, 1934.

ʻUthmānī, Muḥammad Taqī. Iṣlāḥī Khuṭbāt. Karachi: Memon Islamic Publishers, 2001.

ʻUthmānī, Muḥammad Taqī. Islām aur Hamārī Zindagī. Lahore: Idārah-i Islāmiyāt, 2010.

ʻUthmānī, Muḥammad Taqī. Muʻāsharatī Burā'īyā̃ aur Un kā Ḥall. Karachi: Maktabah Dār al-ʻUlūm, n.d.

Sayyid ʻAbd al-Wahhāb Shāh. Sayyid aur Ghayr Sayyid (Nikāḥ o Kufw kā Mas'alah). eIslamic Books, 2025.

Sirāj al-Dīn. Risālah Aḥkām-i Kufw. Rampur: Maktabah Ahl-i Ḥadīth, 1994.

Ṭāhir al-Qādrī, Muḥammad. Nikāḥ o Ṭalāq. Lahore: Minhāj al-Qur'ān Publications, 2015.

Thānawī, Ashraf ʻAlī. Biheshtī Zēwar. Lahore: Tawsīf Publications, n.d.

Thānawī, Ashraf ʻAlī. Iṣlāḥ al-Rusūm. Delhi: Dīnī Book Depot, n.d.

Wilson, Carl W. Our Dance Has Turned to Death: But We Can Renew the Family and the Nation. Wheaton, IL: Tyndale House Publishers, 1981.

al-Zabīdī, Muḥammad Murtaḍā. Tāj al-ʻArūs min Jawāhir al-Qāmūs. Kuwait: Al-Turāth al-ʻArabī, n.d.

ʻAbd al-ʻAzīz ibn ʻAbd Allāh. Rasm-i Nikāḥ aur Sharīʻat kī Mukhālafat. Karachi: Al-Buḥūth al-ʻIlmiyyah, 2002.